ڈاکٹر خالد محمود خٹک

محمد حسین عنقا، ایک مسئلہ، تین خطوط

محمد حسین عنقا کی دل چسپی کا ایک میدان بلوچوں کی تاریخ بھی رہا ہے انھوں نے اس سلسلے میں اپنی تحریروں اور تحقیق زاویۂ نگاہ کو سامنے لانے کے لیے اپنے عہد کے ان رسائل اور اخبارات کا انتخاب کیا جو بلوچوں میں شوق سے پڑھے جاتے تھے۔ان میں ''بلوچی دنیا'' ملتان سرِ فہرست ہے۔جس میں ان کے کئی مضامین وقفے وقفے سے شائع ہوئے۔[1] انھی مضامین نے انھیں اس بات کی تحریک دی کہ وہ بلوچوں کی ایک مربوط تاریخ تحریر کریں۔لہٰذا ۱۹۴۸ء کے وسط میں انھوں نے اپنے اس اہم منصوبے پر کام شروع کیا اور ۲۳ سال کی مسلسل عرق ریزی کے بعد ''بلوچ قوم کے دورِ قدیم کی تاریخ'' کا مسودہ مکمل کر لیا۔[2] لیکن جب اس کی اشاعت کا معاملہ سامنے آیا تو وہ اتنی مالی استطاعت نہیں رکھتے تھے کہ اسے اپنے وسائل سے شائع کرا سکیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے جو زبانی کوششیں کیں وہ کس قدر تھیں ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے البتہ تحریری طور پر انھوں نے اس سلسلے میں اپنے دوستوں اور حلقۂ احباب کو مکاتیب لکھ کر اس طرف سنجیدگی سے توجہ مبذول کرائی وہ ان کے غیر مطبوعہ مکاتیب کے ذخائر میں موجود ہے۔اس طرز کے مکاتیب کی تعداد تین ہے۔جس میں سے دو خطوط انھوں نے میر میٹھا خان مری [3] کے نام تحریر کیے اور ایک خط ملک محمد پناہ [4] کو لکھا۔خطوط میں تحریر کیے گئے مختلف نکات کے ساتھ ساتھ بنیادی نکتہ یہی ہے کہ ان کی مذکورہ تاریخ کی اشاعت کے لیے وسائل فراہم کرنے کی تگ و دو کی جائے تاکہ کتاب بر وقت شائع ہو سکے اور ان کے اندیشوں کے مطابق ان کی تاریخ کے مختلف حصے چرا نہ لیے جائیں۔انھوں نے بعض احباب کو اشاعت کی غرض سے مسودات کی نقول بھی فراہم کیں تاکہ مالی مدد یا اشاعت کی کوئی سبیل پیدا ہو سکے۔مسودے کی نقول کی فراہمی کے باوجود کتاب کی اشاعت تو ممکن نہیں ہو سکی مگر انھیں یہ شک ضرور تھا کہ مختلف لوگوں نے ان کے مسودات کے بعض حصے اپنے نام سے اپنی کتابوں میں شامل کر لیے ہیں۔ان تلخ تجربات کی روشنی میں ۱۹۷۰ء کی دہائی کے آغاز ہی سے انھیں یہ فکر دامن گیر رہی کہ طباعت میں مزید تعطل ان کی محنتوں کو کسی اور کے نام بھی کر سکتا ہے۔

ان مکاتیب سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ عنقا نے اپنی تمام زندگی علم و ادب صحافت و سیاست میں بہت نیک نیتی کے ساتھ والہانہ انداز میں صرف کی لیکن ہمیشہ مالی اعتبار سے اتنے کمزور رہے کہ اپنی تحریر کردہ کتب کی طباعت کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ ہو سکے۔اسی پس منظر میں اگر وہ میر میٹھا خان مری اور ملک محمد پناہ کو یہ مکاتیب تحریر نہ کرتے تو شاید ان کی تاریخ ''بلوچ قوم کے دورِ قدیم کی تاریخ'' کی طباعت کا خواب جون ۱۹۷۴ء میں شرمندہ تعبیر نہ ہو سکتا۔

(۱)

خط بنام ملک محمد پناہ

۲۲ر جنوری ۱۹۷۱ء

محترمی ملک محمد پناہ سلام علیک! پچھلے دنوں گورنر صاحب سے سیوی میں ملاقات کے دوران باتوں باتوں میں میں

نے شکایت کی کہ چونکہ ریڈیو اور ٹرائبل پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ کی میرے باب میں اب کے برسوں سے پالیسی مقاطعانہ رہی ہے اس لیے بلوچ اکیڈمی نے بھی یہی پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔

ترسوں مجھے اطلاع ملی کہ دس مہینے کے طویل انتظار کے بعد ابھی جا کر مرے گلستان اوالے بلوچی ترجمہ پر کارروائی ہونے لگی ہے، نا معلوم اس دفعہ کمیٹی کیا اور کب کرتی ہے۔ پھر آپ کے ادارے کی میٹنگ کب ہوتی ہے۔ اور اسے چھپوانے کا فیصلہ کرتی ہے پھر یہ کہ اس کے کتنے صفحے بنیں گے اسکی لکھائی کب شروع ہوگی اور کب معاوضہ طے ہوگا اس سست کاری سے کچھ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۷۱ء کا سال غالباً ختم ہو جائے گا؟ صحیح کہ عام دستور یہی ہے مگر ملک میں بعض ایسے بھی ادیب، شاعر، مورخ ہوتے ہیں جن کی اہلیت و ذمہ داری مسلّم ہوتی ہے۔ ان کے سلسلے میں یہ دستور برتا نہیں جاتا، آپ کے ادارے کو ایسا سوچ اور فیصلہ بھی کرنا چاہئے تاکہ ادارے کے کام کاج میں قدرے تیز رفتاری پیدا ہو جائے؟ یہ تعلّی نہیں حقیقت ہے کہ میری فارسی دانی عامیانہ نہیں معیاری ہے اس طرح میری بلوچی شاعری بھی سوقیانہ نہیں ادیبانہ ہے، پھر یہ جائزہ کمیٹی محض زیانِ وقت ہے فرض کا احساسِ ذمہ دار، نہیں ہے یہ مستزاد کہ علم وادب کا سرقہ آئے دن کا نا قابل احترام تحریر ثابت ہو چکا ہے، میں نے بڑی کاوشوں کے بعد بلوچی زبان کا ابتدائی قاعدہ ۱۹۳۷ء سندھی، پشتو عربی اور انگریزی قواعد کی مدد سے تیار کیا مجھ سے یہ چھاپے کے لیے مانگا گیا سو میں نے دے دیا، جائزہ کمیٹیوں کے چکر میں آنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ میرے قاعدے سے ماخوذ متعدد دوسرے قاعدے چھپے مگر میرا قاعدہ سو آج تک نہیں چھپا، یہ بھی معلوم عوام وخاص ہے کہ یہ میری تحقیق تھی جو ۱۹۵۶ء کے رسالہ بلوچی دنیا میں چھپی کہ ''نمرود بلوچ ہے'' چنانچہ اسی رسالہ اور اخبار پاسبان میں مجھے خوب خوب بھلا برا کہا گیا، پچھلے سال ''کوچ و بلوچ'' کے نام سے جو تاریخ چھپی ہے اس میں میری تحقیق و تدقیق کا نام تک نہیں دیا گیا حالانکہ اس میں مندرج مواد قریب قریب میرے ہی ہیں۔ ۲

سننے میں آیا ہے کہ آپ کا ادارہ لالہ ہورام کی ''تاریخ بلوچستان'' ۳ کو لوٹ کر شائع کرنا چاہتا ہے۔ جس پر غالباً ہزاروں روپے خرچہ آجائے گا، فنڈ ہو تو برا قدم نہیں، قدیم کتب کو ضائع نہ ہونا چاہئے ورنہ قوم کی نئی نسل نئی آرزوں کی ۴ لباس نہیں اوڑھ سکے گی اور اگر آپ کے ادارے کے ارادے بھی اسی طرح کے نیئے ہیں تو آپ کے علم میں آئے کہ میں نے بالکل نئی بلوچی تاریخ ۲۳ سال کی مسلسل جدوجہد اور دوررس تحقیق و تدقیق کے بعد مرتب کر لی ہے یہ بلوچی تاریخ بالکل ہی انقلابی نوعیت کی ہوگی۔ میری تاریخ کو بلا مبالغہ روئے زمین کے ممالک عرب، ایران، ترکی، بلقان، افغانستان، ہندوستان، ترکستان، روس اور چین وغیرہ کی تواریخ جرمنی، اٹلی، فرانس، برطانیہ، امریکہ وغیرہ کے مورخین کیلئے چیلنج کہا جا سکتا ہے، اس میں انہی ممالک کی تواریخ اور ان کے کوئی ساڑھے تین سو تائیدی حوالہ جات ہیں ثابت یہ کیا گیا ہے کہ بلوچی حکومت ۲۶۰۰ قبل مسیح سے ۱۹۵۶ء کے بعد تک کبھی پھیل کر اور کبھی سمٹ کر مگر مسلسل کہیں نہ کہیں قائم ضرور رہتی چلی آئی ہے یہ ہندوستان، ایران، افغانستان، ترکستان اور عربستان تو کیا بلکہ چین اور یورپ بھی سینکڑوں برس کبھی اس کے زیر نگیں رہے ہیں۔ بلوچی تسلط سے مخلصی پانے کا بعض ممالک آج تک یوم نجات مناتے ہیں دنیا کی نہ صرف بعض عظیم تاریخی شخصیتیں سلاطین سپہ سالار شاعر ادیب مورخ بلوچ ہیں بلکہ روئے زمین کے ممالک میں بعض آئین، قوانین اور سائنسی ایجادات بھی بلوچ فضلا کی تخلیقات ہیں، اس تاریخ میں بعض ازمنہ قدیم کی تصاویر، نقشے اور آثار قدیمہ کے کتبہ جات بھی ہیں اگر وسائل مہیا ہوں تو کتنے ہی مزید ایسے کتبہ جات، تصاویر اور نقشے حاصل کئے

جاسکتے ہیں، جن کا حوالہ اس تاریخ میں پہلے سے موجود ہے، اگر آپ کے ادارے کی سمجھ میں آئے اور اصولاً یہ قرار پائے کہ اگر واقعی یہ تاریخ ایسے مواد کی ۵ حامل ہے تو اسے ادارہ کی طرف سے شائع کیا جاسکتا ہے، تو ادارہ اپنے ایک دو نمائندے اس کا جائزہ لینے کیلئے مقرر کرے تو یہاں مچھ میں ان کی رہائش وخروش کا انتظام میں کروں گا وہ مجاز ہیں کہ جس وقت تک چاہیں جس قدر گھنٹے، دن، ہفتے ہوں، اپنا فیصلہ دے کر اٹھیں یا اپنی رپورٹ لے جائیں یہ ان کی اپنی مرضی پر منحصر ہوگا، میں صرف اپنی تاریخ لے جانے نہیں دوں گا، خدشہ اوپر مذکور ہے، بعض امیدیں غلط اندازے کے باعث بر بھی نہیں آتیں، مگر چونکہ یہ روئے زمین کے موجودہ ممالک اور مورخین سے متعلق ہے بعضوں کے دعاوی کے اس میں استرداد اور بعضوں کی تائید درج ہے، اس لئے اسے ان ممالک کے کونسلوں اور لائبریریوں کے ذریعے عالمگیر انداز میں پھیلایا جاسکتا ہے، اس سے اس کی تعداد اور تزئین کا قیاس کیا جاسکتا ہے، یہ عین اخلاقی ہوگا اگر آپ مجھے جواب سے سرفراز فرمائیں۔ 22-1-1971

محمد حسین عنقا مچھ

(۲)

بنام میر مٹھا خان خضر مری

۲۶/اکتوبر ۱۹۷۱ء

محترم میر میٹھا خان خضر سلام علیک! میر بھی میٹھا بھی اور خضر بھی ہو پھر بھی کام نہ بنے تو پھر کہاں قسمت آزمانے جائیں۔ دستور یہی چلا آتا ہے کہ زندے بے قدرے ہوا کرتے ہیں، یہ غالب کی موت کے بعد ہے کہ روئے زمین میں اس کا یوم منایا جاتا ہے، ورنہ یہ چاند پر تھوک دینے کے مترادف ہوگا۔ اگر میری سیاسی خدمات کا اعتراف نہ کیا جائے جو ہر بلوچ مرد کے مقابلے میں زیادہ ہیں، ۱ میری شاعری سنو، اتوار آؤ میرے مہمان بنو اور دیکھو اگر آج کے کسی شاعر سے کم معیار کی پاؤ تو زبان کھنچواؤ، جشن ایران کا مشاعرہ ہی سہی سب کی نظمیں دیکھو اور میری بھی اگر کم پاؤ تو انگلیاں کٹوادو، میں نے ایک مرتبہ اپنی نظموں کی کتابت کرائی ۲ صاحبزادے نصرت ۳ نے خودکشی کیلئے خواب آور گولیاں کھائیں طباعت کا خرچ اس پر اٹھ گیا۔

حیراں ہوں دل کو روؤں پیٹوں جگر کو میں

سنتا ہوں کہ بڑے سرمایہ دار بن چکے ہو پونے دو کروڑ روپے کا کارخانہ نصب فرمارہے ہو خدا اور دے، ساتھ ہی یہ بھی کہ نبی بخش زہری ۴ کے بعد دوسرے نمبر کا سرمایہ دار ۵ بغل میں رکھتے ہو جس نے پانچ ہزار روپے ایک مذہبی مکتب کے لیے یہاں مچھ میں حال ہی میں دیئے ہیں۔ اگر بوچوں کے حسب ونسب کے بارے میں میری وہ انقلابی تاریخ چھپواؤ جس میں میں نے ساڑھے تین سو مشرق ومغرب کی تواریخ کی مدد سے ثابت کیا ہے کہ تیمور اور چنگیز بلوچ تھے، جنہوں نے پورے یورپ و ایشاء پر سینکڑوں برس حکمرانی کی ہے۔ فخر ایسے بلوچ حکمرانوں پر کیا جاسکتا ہے جس کی حیثیت روئے زمین کی تاریخ تسلیم کرتی ہے۔ چاکر اور نصیر خان تو ہم بلوچوں تک محدود ہیں۔ گالیاں میں نے کھائیں کہ لکھا کہ نمرود اور حضرت ابراہیم بلوچ تھے۔ فائدہ میر گل خان نصیر نے اٹھایا کہ ایسے یار اور احباب رکھتا ہے جو ''کوچ و بلوچ'' اسے چھپوا دیتے ہیں، ورثے میں کہ جس کے یار واحباب ''وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیغ ستم نکلے'' کہ مصداق ہیں میری عمر باقی کیا رہ گئی ہے، ایسا نہ ہو کہ یہ تاریخ رہ نہ جائے میری سیاسی خدمت مقامی ہے مگر یہ تاریخی خدمت بین الاقوامی ہے جو بلوچ کو امتیازی شہرت کا تاج پہنائے گی، میری اس تاریخی

تحقیق کو اگر کوئی رد کر سکا تو میں اپنی جائیداد سے تاوان بھرنے کے لیے تیار ہوں آج پیشگی کوئی مجھ سے اسٹامپ کروالے میں پی آئی ڈی سی کا ایک تسلیم شدہ ایجنٹ ہوں آج بھی میرے نام چار ویگن دو سوٹن کوئلہ بائی ٹرک سپرینڈ اور کوئٹہ میں ہے انہیں بہت بہت بڑھایا بھی جا سکتا ہے یہ خرید کر ریکی صاحب جو خاص چنگیزی قبیلہ ہے۔ تاریخ کے اس خرچ میں کٹوا سکتے ہیں۔ اتوار آؤ اور یہ تاریخ بھی دیکھ جاؤ۔ اگر تسلی نہ ہو تو مدد نہ کرو، تاریخ جستہ جستہ بھیجی نہیں جا سکتی پھر مار بھی کھا چکا ہوں اس لیے یہ ثابت کرنے کہ کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے، تین غزلیں اردو، فارسی، بلوچی منسلک ہیں کہ اندازہ ہو تخیل ثریائی ہے کہ ثرائی، کوئی حال پرساں ہو تو سلام

شام کو رنگ شفق ایسے کھلا ہوتا ہے

محمد حسین عنقا مچھ

محترم ملک محمد پناہ ایڈیٹر نوائے وطن کو گورنر کے انٹرویو پر تبصرہ بھیجنے کا وعدہ کیا گیا، گلستان کا پوچھا گیا اور کہ بلوچ اکیڈمی اگر میری تاریخ چھاپے تو میں، جشن ایران کی نظم یا کوئی اور غزل درکار ہو اردو فارسی بلوچی تو ارسال کر دوں گا۔

(۳)

بنام میر میٹھا خان خضر مری

تاریخ ندارد

محترم میر میٹھا خان خضر سلام علیک! آپ کا خط ملا حالانکہ آپ بہ نفس نفیس خود متوقع تھے، میر غلام سرور خان ڈومکی ۱؎ بھی یہاں تھے۔ وہ عشائیہ میں مجھے مل چکے ہیں۔ سنا ہے کہ چٹھی آدھی ملاقات ہوتی ہے مگر یہاں تو پچیسواں حصہ بنا، آتے جاتے تو چھ روپیہ خرچ آتا، خط لکھا تو بیس پیسے، کہا جاتا ہے کہ مقبور مسلمان کو قبر میں ایک دریچہ ملتا ہے جس میں سے وہ بہشت کی سیر کیا کرتا ہے۔ ریکی صاحب ۲؎ کو خط لکھتے ہوئے کچھ ایسی بات ہوگئی ہے۔ مدفون تاریخ کے لیے امید کا دریچہ کھل گیا ہے۔ جس میں سے طباعت کی جنت کی سیر واقعی کی جا رہی ہے۔

بات یوں ہوئی کہ ایک صاحب نے تجویز کی کہ جیسے میں نے بعض دوسروں سے اس تاریخ کی طباعت کے خرچ کے لئے کہا ہے، میر ابراہیم خان ریکی سے بھی کہوں وہ سخی الطبع ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی و علمی بزرگوں کو مشکور کرنے کا جذبہ بھی رکھتے ہیں، براہ راست خطاب و سوال کر رہا ہوں خدا کے کام عجیب ہیں۔

یہاں خان قلات کو نہیں آغا عبدالکریم خان ۳؎ کو نہیں اور یوسف اعظم کے جانشین میر یوسف علی مگسی ۴؎ کو نہیں بلکہ آب حیات کا یہ گھونٹ ریکی صاحب کو عطا ہو، نواب حبیب اللہ خان آف خاران ۵؎ نے نسیم حجازی کو دس ہزار روپے دے کر تاریخ معظم علی چھپوائی جس کا بلوچ اور بلوچستان سے کوئی سروکار نہیں۔ میر صاحب جمالی مرحوم ۶؎ نے اس کو بیس ہزار روپے دے کر اخبار ''کوہستان'' نکلوایا جس کا بلوچستان سے کوئی دور کا واسطہ نہیں۔ میرے نام جو اخبار منظور کیا ہے جس کا نام میں نے اپنی تاریخ کی رعایت سے ''توران'' ۷؎ رکھ لیا ہے۔ پیسہ نہیں کہ شائع کروں اور فخر کا سر توڑ دوں چاہے سرکاری یا غیر سرکاری کسی بھی ادارے سے بات ہو، کسی کے پاس دل ہے تو قلم نہیں۔ اگر قلم ہے تو فن نہیں۔

میرا مقصد طباعت تاریخ ہے طلب زر نہیں۔ چاہو تو مجھے کاتب دلاؤ اور پھر کتاب خود چھپواؤ اور اگر یہ سب کام

میرے ذمے لگاؤ تو میرے اندازہ میں اس کے لیے پانچ چھ ہزار روپے کی ضرورت ہوگی کسی پریس سے اس کا محاسبہ کرایا جاسکتا ہے، اور بہتر زمانہ پریس ہے جس میں بلاک سازی بھی ہے۔ میری اس تاریخ کی غالباً ۸/۲۰x۳۰ سائیز کی چالیس کاپیاں ہوں گی جس کی کتابت فی کاپی بیس روپے اور طباعت ہزار کے لیے فی کاپی پندرہ روپے اور کاغذ دو روپیہ فی کاپی کوئی چالیس روپے فی رم ہوگا کہ یہ اخبار نہیں کتاب ہے۔

کتابت	800.00=20x40	فوٹو، بلاک، چھپائی، سپیشل کاغذ،
طباعت	600.00=15x40	جلد بندی وغیرہ پر ہزار روپے سے اوپر
کاغذ	3200.00=40x80	خرچ آئے گا۔
	4600.00	

تاریخ کے سلسلے کی گفتگو کے ساتھ یہ بات تطبیق نہیں کھا رہی تھی کہ میں ریکی صاحب سے عرض کروں کہ میرے پاس ایک اسٹینڈرڈ اسٹیشن ویگن درجن سیٹر ۶۲ ماڈل ہے، یہ کوئلہ کان میں بھی کام دے سکتا ہے اور چاغی کے ریگستان میں بھی، یہ خرید لیں اور مجھے مشکور کریں، میں ارزاں قیمت پر دینے کے لیے تیار ہوں۔ میرے پاس پی آئی ڈی سی کا پرمٹ ہے تین ویگن اور ڈیڑھ سوٹن کوئلہ سپیرنڈ میں اور ایک ویگن پچاس ٹن کوئلہ کوئٹہ میں یہ اگر خرید کر اپنے مال میں ڈال دیں تو مزید مشکور ہوں گا۔ نرخ ہر کہ و مہ کو معلوم ہے میرا محض کمیشن ہے جو بازار کے مطابق ہو۔

حوالے اور حواشی

۱ عنقا کے وہ درج ذیل مضامین جو ''بلوچی دنیا'' میں شائع ہوئے اور جنھیں بعد میں انھوں نے ''بلوچ قوم کے دور قدیم کی تاریخ'' میں استعمال کیا ہے وہ یہ ہیں۔

i۔ بلوچی ادب، اپریل ۱۹۵۸ء۔

ii۔ بلوچی زبان اور اس کی تاریخ اور طرز نوشت، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر ۱۹۶۰ء۔

iii۔ امیر تیمور کا حسب ونسب اور زاد بوم، اپریل ۱۹۶۶ء۔

iv۔ براہوی دراوڑ نہیں کوشانی بلوچ ہیں، اکتوبر ۱۹۵۸ء۔

v۔ بولان، جولائی ۱۹۶۶ء۔

vi۔ داریوش بلوچ تھا، کراچی، روزنامہ امروز، ۱۲ جولائی ۱۹۶۰ء۔

vii۔ کیا تیمور بلوچ تھا، مئی ۱۹۵۸ء۔

viii۔ مکران کی تاریخ کا خاکہ، اکتوبر ۱۹۶۷ء۔

۲ محمد حسین عنقا ''بلوچ قوم کے دور قدیم کی تاریخ''۔ ۱۹۷۴ء پاکستان پریس کوئٹہ اپنی تاریخ کے بارے میں وہ اپنی عرق ریزی کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''تاریخ ہذا کیلئے ۱۹۴۸ء کے وسط سے میں نے مواد سمیٹنا شروع کیا ۱۹۷۰ء کے اواخر میں جا کر اس مواد کو ترتیب دینے کے قابل ہوا، ۱۹۷۲ء کے اواخر میں اس کی کتابت و طباعت کا آغاز ہوا۔ ۱۹۷۴ء کے اوائل میں یہ چھپ کر

میرے سامنے آ گئی ہے۔ کاغذ، کتابت اور طباعت تینوں پر افلاس کی چھاپ ہے۔'' ص ۲۹۷۔

۳۔ میر میٹھا خان مری بلوچستان کے علاقے مری کے قصبے کاہان میں ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد معلمی کا پیشہ اختیار کیا۔ پھر منسٹریل سروس سے وابستہ ہوئے اور بتدریج ترقی کرتے ہوئے سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۱۹۶۶ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ بعدازاں ایک کول کمپنی سے وابستہ ہو گئے۔ علم وادب اور خصوصاً شاعری سے شروع ہی سے شغف تھا۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ سے وابستہ رہے۔ کوئٹہ کے بروری روڈ پر ایک محلہ میر میٹھا خان اسٹریٹ ان کے نام سے منسوب ہے۔ (بحوالہ انعام الحق، کوثر، ڈاکٹر، علامہ اقبال اور بلوچستان، ص ۲۰۸)

۴۔ ملک محمد پناہ (پیدائش پندرہ جون ۱۹۱۳ء۔ وفات سولہ دسمبر ۱۹۸۰ء) بلوچستان کے ضلع کچھی میں پیدا ہوئے ان کے والد دوسروں کی زمین پر کسان تھے۔ والدہ کی وفات کے بعد جب ملک محمد پناہ کی عمر ۶ سال تھی ان کے والد سبی آ گئے اور ریلوے میں بطور چوکی دار بھرتی ہو گئے۔ ملک محمد پناہ نے سبی کے سکول میں مڈل تک تعلیم حاصل کی میٹرک کا امتحان ۱۹۳۱ء میں گورنمنٹ سنڈیمن ہائی سکول کوئٹہ سے پاس کیا۔ ملازمت کا آغاز ریاست قلات میں بطور خزانچی کیا۔ پھر مختلف حیثیتوں سے مختلف ملازمتیں کرنے کے بعد خان قلات کی دعوت پر ریاست قلات میں نائب تحصیل دار کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں ریڈیو پاکستان کوئٹہ کا آغاز ہوا تو وہ مختلف حیثیتوں میں اس ادارے سے وابستہ رہے۔ انھوں نے قندھاری بازار کوئٹہ میں ''قومی کتاب گھر'' کے نام سے کتابوں کی دکان کھولی جو بہت کام یاب رہی۔ انھوں نے ہتورام کی کتاب ''تاریخ بلوچستان'' کی اصلاح کر کے اپنے حواشی کے ساتھ ترتیب دے کر بلوچی اکیڈمی سے شائع کرائی، بلوچی اکیڈمی میں ان کی بے پناہ خدمات کی وجہ سے انھیں اکیڈمی کا وائس چیئرمین بھی مقرر کیا گیا۔ (بحوالہ شاہ محمد مری، ''عشاق کے قافلے'' ص ۱۰، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۷)

مکتوب نمبر ۱

۱۔ ''گلستان سعدی'' بلوچی ترجمہ، محمد حسین عنقا۔

۲۔ گل خان نصیر کی کتاب ''کوچ و بلوچ'' بلوچی پبلی کیشنز کراچی نے ۱۹۴۹ء میں پہلی مرتبہ طبع کی۔ کتاب کا دوسرا ایڈیشن جولائی ۱۹۸۳ء میں زمرد پبلی کیشنز کوئٹہ نے شائع کیا۔ اس کتاب کے بعض مندرجات جس کا خط میں ذکر کر دیا گیا ہے عنقا کے مطابق ان کی تحریروں سے اخذ شدہ مواد ہے۔

۳۔ تاریخ بلوچستان از لالہ ہتورام جس کی تصحیح، حواشی اور ترتیب کے بعد ملک محمد پناہ نے بحیثیت وائس چیئرمین بلوچی اکیڈمی کوئٹہ سے شائع کرایا۔

۴۔ یہاں لفظ ''کا'' موزوں ہے۔

۵۔ یہاں لفظ ''کی'' موزوں ہے۔

مکتوب ۲

۱۔ عنقا کی سیاسی زندگی کا آغاز ۱۹۲۲ء سے شروع ہوا اور ان کی وفات ۱ اکتوبر ۱۹۷۷ء تک مختلف کروٹیں لیتا ہوا جاری

رہا۔ جس کا فکری اختتام ''پاکستان پیپلز پارٹی'' کے ساتھ تعلق پر ہوا۔ عنقا کی سیاسی وابستگیوں کا اجمالی خاکہ زمانی ترتیب کے اعتبار سے یہ ہے۔

نمبر شمار	پارٹی/تنظیم کا نام	وابستگی کا آغاز	اختتام	دورانیہ	عنقا کی پارٹی میں حیثیت
i۔	انجمن اتحاد بلوچاں (یہی پارٹی بعد ازاں انجمن ینگ پارٹی کے نام سے موسوم ہوگئی)	جولائی ۱۹۳۱ء	۴ فروری ۱۹۳۷ء	۶ سال سات ماہ	سرگرم کارکن
ii۔	قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی	۵ فروری ۱۹۳۷ء	۱۹۴۱ء	ساڑھے چار سال	پروپیگنڈہ سیکرٹری
iii۔	انجمن وطن	۲۲ مئی ۱۹۳۸ء	۱۹۴۶ء	آٹھ سال	جنرل سیکرٹری
iv۔	آل انڈیا اسٹیٹ پیپلز کانفرنس	۱۹۴۱ء	۱۹۴۶ء	پانچ سال	سرگرم رکن

۱۹۴۱ء میں قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی کو آل انڈیا اسٹیٹ پیپلز کانفرنس سے منسلک کر دیا گیا جس کے صدر پنڈت جواہر لعل نہرو تھے اور قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی کی طرف سے غوث بخش بزنجو مرکزی کمیٹی کے رکن تھے۔

نمبر شمار	پارٹی/تنظیم کا نام	وابستگی کا آغاز	اختتام	دورانیہ	عنقا کی پارٹی میں حیثیت
v۔	بلوچ لیگ	۱۹۴۶ء	جون ۱۹۵۶	دس سال	جنرل سیکرٹری
vi۔	بلوچ نیشنل ورکرز پارٹی	۱۰ فروری ۱۹۴۷ء	جون ۱۹۵۶	دس سال	پروپیگنڈہ سیکرٹری

نوٹ: پارٹی نمبر ۵ اور ۶ میں وہ بیک وقت کام کرتے رہے کیونکہ دونوں میں کوئی فکری تضاد نہیں تھا۔ پارٹی نمبر ۶ از خود غیر فعال ہوگئی۔

نمبر شمار	پارٹی/تنظیم کا نام	وابستگی کا آغاز	اختتام	دورانیہ	عنقا کی پارٹی میں حیثیت
vii۔	استمان گل	اگست ۱۹۵۶ء	۱۹۵۷ء	۔	جنرل سیکرٹری
viii۔	نیشنل عوامی پارٹی	۱۹۵۷ء	۱۹ دسمبر ۱۹۷۵ء	۔	ممبر مجلس عاملہ بلوچستان
ix۔	پاکستان پیپلز پارٹی	۲۰ دسمبر ۱۹۷۵ء	۲۰ اکتوبر ۱۹۷۷ء	(وفات تک)	خصوصی ممبر بلوچستان

۲۔ سہ لسانی مجموعہ ''سوغات'' کا بیشتر مواد محمد حسین عنقا نے اپنی زندگی میں طباعت کی غرض سے کتابت کرا لیا تھا لیکن تلاش روزگار، ابتر مالی حالات، خانگی معاملات، تسلسل سے اسیری کے بعد کی مشکلات، سیاسی امور میں بڑھتی ہوئی دل چسپیوں اور پیرانہ سالی کے باعث وہ اسے طبع نہیں کرا سکے۔ لہٰذا یہ مجموعہ کلام، طباعت سے صرف ایک قدم کے فاصلے پر جوں کا توں رہ گیا اور آج بھی اسی حالت میں ہے۔ اس مجموعے میں ان کا اردو، فارسی اور بلوچی (مع اردو نثری ترجمہ) منتخب کلام شامل ہے۔ کتابت شدہ مواد اور بعض رہنما تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس مجموعہ کلام کا نام ''سوغات'' رکھا تھا۔ یہ مجموعہ ۲۰X۳۰۔۱۶ کی تقطیع پر کل ۱۹۶ صفحات پر مشتمل ہے جسے اس وقت رائج لیتھو کاغذ کی سولہ صفحات کی کاپیوں پر کتابت کرایا گیا تھا۔ کتابت شدہ مواد کے حاشیوں میں ترمیم و اضافہ یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ کتابت شدہ مسودہ کی ایک بار خواندگی بھی کر چکے تھے۔

۳۔ محمد حسین عنقا کے دو بیٹوں میں شوکت حسین ۱۹۴۷ء کو پیدا ہوئے اور ۲۰۰۷ء میں انتقال ہوا۔ دوسرے بیٹے نصرت حسین ۱۹۴۹ء میں پیدا ہوئے ابتداً صحافت سے منسلک رہے اور کوئٹہ سے اخبار ''بولان جدید'' نکالتے رہے آج کل کوئلہ کے کاروبار سے وابستہ ہیں۔

۴ میر نبی بخش خان زہری کبھی اقتدار میں نہیں رہے۔ دوسرے لوگ وزیر، گورنر یا وزیر اعلیٰ ان کی سفارش سے بنتے رہے ہیں ان کی دولت سے در کے سوالی آقا بنتے رہے ہیں۔ ذرے آفتاب کا روپ دھارتے رہے ہیں مگر وہ خود اقتدار کے ایوانوں سے باہر کوئلہ یا پتھر بیچتے پھرتے ہیں۔ کبھی کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا اور نہ ملک کے مفاد کے خلاف کسی بیرونی قوت کے آلۂ کار بنتے ہیں۔ انھیں ان کے جائز کاروبار میں اس قدر دولت ملی ہے کہ اکثر دوسروں کو اقتدار کی کرسی پر بیٹھ کر نا جائز ہتھکنڈوں سے نہیں مل سکی۔

میر نبی بخش زہری کو ۱۹۷۰ء کے انتخابات کا لعدم نیپ کے مقتدر بلوچ لیڈروں سے زک اٹھانا پڑی تھی۔ انہیں کانوں سے بے دخل کرنے اور ان کے کاروباری وسائل پر قبضہ جمانے کی سعی کی گئی مگر انھوں نے اپنے سردار قبیلہ سردار دوداخان زہری سے اعانت طلب کی اور حریفوں کی یلغار سے محفوظ رہے انھوں نے وفاقی سرکار و دربار سے کوئی مدد حاصل نہیں کی، حالانکہ وفاقی حکومت حکومت بلوچستان سے متصادم ہونے کے بہانے تلاش کر رہی تھی۔

میر نبی بخش زہری اور ان کے برادر بزرگ قیام پاکستان سے پہلے آل انڈیا مسلم لیگ کے مرکزی عہدیداروں میں شامل تھے اور اس وقت وہ ان چند لیڈروں میں شمار ہوتے تھے جو صاحب ثروت اور صاحب ایثار تھے۔'' (بحوالہ اختر علی خان بلوچ ''بلوچستان کی نامور شخصیات، جلد چہارم، ص ۱۴۷'')

۵ خط میں ''سرمایہ دار'' ہی تحریر ہے جو جملے کے سیاق و سباق کے اعتبار سے درست نہیں لگتا۔

مکتوب ۳

۱ سردار غلام سرور خان ڈومکی ۱۹۵۱ء میں اپنے والد سردار تاج محمد ڈومکی کی وفات کے بعد سربراہ خاندان بنے اور ان کی دستار بندی کی گئی۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق مروجہ تعلیم انھوں نے جیکب آباد اور لاہور میں حاصل کی۔ میٹرک انھوں نے ۱۹۵۵ء میں جیکب آباد سے کیا تھا۔ ابتدا میں وہ مقدمے بازی میں الجھے رہے اور بعد ازاں سہروردی مرحوم کی سیاسی بصیرت سے متاثر ہو کر ان کی پارٹی میں شامل ہو گئے۔ (بحوالہ اختر علی بلوچ، بلوچستان کی نام ور شخصیات، جلد ۲، ص ۲۲۲)

۲ میر محمد ابراہیم ریکی بلوچ پیشہ کے اعتبار سے کول کمپنی کے مالک تھے۔ صاحب ثروت لوگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے کچھ عرصہ سیاست میں بھی گزارا اور وفاقی وزیر کے عہدے پر بھی فائز رہے۔

۳ آغا عبدالکریم خان ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے۔ خان قلات امیر محمود خان دوم کی وفات پر ان کے برادر خورد امیر محمد اعظم خان کو قلات کی گدی پر بٹھایا گیا تو آغا عبدالکریم خان کو قلات اسٹیٹ فورس میں بھرتی کر دیا گیا۔ اعلیٰ فوجی ٹریننگ کے لیے ''کاکول'' بھی گئے۔ واپسی پر انھیں قلات اسٹیٹ فورسز کا ایڈجوٹنٹ بنا دیا گیا بعد ازاں وہ ترقی کر کے قلات اسٹیٹ فورس کے کمانڈر بنے اور ۱۹۳۶ء میں مکران کا حاکم اعلیٰ یعنی گورنر بنایا گیا۔ (بحوالہ اختر علی، بلوچ، بلوچستان کی نام ور شخصیات، جلد اول، ص ۸۳-۱۸۲)

۴ نواب یوسف عزیز مگسی ۱۹۰۸ء میں جھل مگسی میں پیدا ہوئے۔ بلوچستان میں اردو زبان و ادب کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بلوچستان میں سیاسی بے داری کے علم بردار اور قائد تھے۔ ۱۹۳۵ء کوئٹہ کے زلزلے میں

انتقال ہوا۔ (بحوالہ انعام الحق، کوثر، ڈاکٹر، ''بلوچستان میں تذکرہ اردو''، ص ۱۱۸)

۵ نواب حبیب اللہ خان آف خاران (پیدائش ستمبر ۱۹۱۱، وفات ۱۰ / اکتوبر ۱۹۵۸ء)، خاران کے آخری حکمران نواب تھے ریاستوں کے خاتمے کے بعد وہ گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ (بحوالہ، اثیر عبدالقادر شاہوانی، آئینہ خاران، ص ۱۷۳)

۶ میر جعفر خان جمالی مرحوم بلوچستان میں تحریک پاکستان کے سرگرم رہنما اور قائد اعظم کے رفیق تھے۔

۷ ''توران'' کے نام سے ایک اخبار محمد حسین عنقا نے تجویز کیا تھا جس کے مدیر وہ خود ہوتے اور معاون مدیر کہکشاں تجویز کی گئی تھیں۔ یہ اخبار یکم جولائی ۱۹۷۱ء کو مچھ بولان سے نکالا جانا تھا جب کہ مقام طباعت قلات پریس کوئٹہ تھا۔ یہ اخبار ''البلوچ'' کراچی (۳۴۔۱۹۳۳ء) کی طرز پر نکالنا مقصود تھا جو بلوچوں کے مسائل اور سیاسی نصب العین کا اظہار کرتا۔ مجوزہ اخبار میں خبروں کے علاوہ اردو، بلوچی، فارسی نظمیں بلوچوں کی مختلف سیاسی تحاریک، تاریخ، گوشہ خواتین، گوشہ اطفال، بلوچی ادویات اور ٹوٹکے اور دیگر دل چسپ معلومات کو شامل کیا جانا تھا۔ لیکن اس اخبار پر اٹھنے والے مالی وسائل اکٹھے نہیں ہو سکے اس لیے یہ اخبار شائع نہیں ہو سکا۔

فہرستِ اسناد محولہ:

۱۔ اثیر شاہوانی، عبدالقادر، (۱۹۷۸ء)، ''آئینہ خاران''، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ۔

۲۔ بلوچ، اختر علی خان، (۱۹۸۴ء)، ''بلوچستان کی نامور شخصیات''، جلد اول، رائل بک کمپنی، کراچی۔

۳۔ ایضاً، (۱۹۹۵ء)، ''بلوچستان کی نامور شخصیات''، جلد دوم، رائل بک کمپنی، کراچی۔

۴۔ ایضاً، (۱۹۹۸ء)، ''بلوچستان کی نامور شخصیات''، جلد چہارم، رائل بک کمپنی، کراچی۔

۵۔ خٹک، خالد محمود، (۲۰۰۵ء)، ''محمد حسین عنقا افکار و آثار''، جامعہ بلوچستان، کوئٹہ۔ [مقالہ غیر مطبوعہ برائے پی ایچ ڈی]

۶۔ عنقا، محمد حسین، (۱۹۷۴ء)، ''بلوچ قوم کے دورِ قدیم کی تاریخ''، پاکستان پریس، کوئٹہ۔

۷۔ ایضاً، (۱۹۷۵ء)، ''گلستانِ سعدیؒ'' (بلوچی ترجمہ)، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ۔

۸۔ کوثر، انعام الحق، (۱۹۹۸ء)، ''علامہ اقبال اور بلوچستان''، اقبال اکادمی، لاہور، سیرت اکادمی، کوئٹہ۔

۹۔ ایضاً، (۲۰۰۶ء)، ''بلوچستان میں تذکرہ اُردو''، ادارہ تصنیف و تحقیق بلوچستان، کوئٹہ۔

۱۰۔ مری، شاہ محمد، (۲۰۱۱ء)، ''عشاق کے قافلے''، مہر انسٹی ٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، کوئٹہ۔

۱۱۔ نصیر، گل خان، (۱۹۶۹ء)، ''کوچ بلوچ''، بلوچی پبلی کیشنز، پہلی اشاعت، کراچی۔

اخبار و رسائل:

۱۲۔ روزنامہ ''امروز''، (۱۲/ جولائی ۱۹۶۰ء)، کراچی۔

۱۳۔ ماہ نامہ ''بلوچی دنیا''، (اپریل۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء/ جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر ۱۹۶۰ء/ اپریل، جولائی ۱۹۶۶ء/ اکتوبر ۱۹۷۵ء)، ملتان۔